ادبی تحقیق اور جدید ٹیکنالوجی

راغب اختر

فلیٹ نمبر2، حیدرا پارٹمنٹ، نالا روڈ، شاہین باغ، جامعہ نگر، نئی دہلی۔25، موبائل:999942118

انسان کو اشرف المخلوقات کہا جاتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں دوسرے جانداروں کے مقابلے میں زیادہ تجسس پایا جاتا ہے اور یہی تجسس اسے اپنی زندگی میں مزید بہتری کے لیے سرگرداں رکھتا ہے۔ کم از کم اب تک کی تحقیقات یہی کہتی ہیں۔ وہ تجسس کی قوت ہی ہے جو انسانوں کو حقائق کی تلاش کے لیے کوشاں رکھتی ہے اور یہی عمل اس کے لیے ترقی کی راہیں ہموار کرتا ہے۔ تجسس اسے نئی چیزیں دریافت کرنے اور گردونواح کی اشیا سے متعلق زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنے کی ترغیب دیتا ہے اور اس مقصد کے حصول کے لئے کی گئی منظّم کوشش کو تحقیق کا نام دیا جا سکتا ہے۔ بقول عبدالستار دلوی:

''۱۔ تحقیق کا تعلق کسی مسئلے کے تعیّن اور اس کے قابل اعتماد حل کی تلاش ہے۔

۲۔ حل کو قابل اعتماد بنانے کے لیے ایک مخصوص انداز میں مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے۔

۳۔ اس مخصوص انداز کا تعلق متعلقہ حقائق کی تدوین سے ہے جس کے نتیجے میں ہم ایک قابل اعتماد حل تک پہنچ سکتے ہیں۔

۴۔ کسی مسئلے کے حل یا نتیجے کے غیر مشتبہ یا ممکنہ حد تک ناقابل تردید ہونے پر ہی تحقیق کے عمل کی کامیابی کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے اس سارے عمل میں مرکزی حیثیت مطالعے کے طریق کار کی ہے۔ چنانچہ بعض علما کی رائے میں مطالعے کے طریق کار کا نام ہی تحقیق ہے۔''[۱]

تحقیق کے بارے میں چاہے جتنے لوگوں کے بیانات پڑھ لیے جائیں اور علم کے کسی بھی شعبے پر اس کے اطلاق پر غور کیا جائے، نتیجہ ہمیشہ یہی نکلتا ہے کہ تحقیق حقائق کے انکشاف اور مسائل کے حل کی تلاش سے متعلق ہے۔ تحقیق کی موجودگی دنیا کی تمام زبانوں اور تمام موضوعات میں پائی جاتی ہے اور خود مسائل کی تشخیص بھی ایک تحقیق طلب مسئلہ ہے اور حقیقتاً یہی مرحلہ سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ حقائق اور مسائل کی موجودگی ہر دور میں اور ہر جگہ پائی جاتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ان کی شکلیں بدلتی رہتی ہیں اور اور ان تک رسائی کے راستے بھی۔ زبان و ادب کے بھی اپنے مسائل اور حقائق ہیں اور اس شعبے میں تحقیق کی اہمیت اس لیے اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے کیونکہ یہاں ہر لفظ کثیر جہتی حیثیت کا حامل ہوتا ہے اور ہر زاویے کی اپنی حقیقت۔ خاص طور پر اردو زبان و ادب کی بات کریں تو یہاں تحقیق کی راہیں اور بھی پیچیدہ نظر آتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں وسائل کافی حد تک محدود ہیں، مزید یہ کہ ان کے تجزیہ کا کوئی سائنسی طریقہ مروج نہیں ہے۔ یہ بات ہر زبان کے سلسلے میں کہی جا سکتی ہے، لیکن کچھ ترقی یافتہ زبانوں کے تمام قدیم سرمائے اب مائیکرو فلم کی شکل میں مختلف لائبریریوں میں محفوظ کر لیے گئے ہیں جب کہ ہندوستانی زبانوں کا معاملہ بالکل الگ ہے۔ اس کے علاوہ اردو میں ابھی تک تحقیق کے موضوع پر جو بھی لکھا گیا ہے وہ تدوین متن کے دائرے میں سمٹا سمٹایا لگتا ہے۔ یا یوں کہیں کہ تدوین متن اور تحقیق دونوں ایک ہی شے کے دو نام لگتے ہیں۔ معاصر ادب پر تحقیقی کام کے سلسلے میں ہمیں کہیں کچھ بھی نہیں ملتا۔ ادبی تحقیق کا دائرۂ کار کچھ اس طرح متعین ہوا ہے کہ تدوین متن کے علاوہ کسی اور چیز میں ہمیں تحقیق کی کوئی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ ادب کے کسی بھی موضوع پر ایک مضمون لکھتے وقت بھی ہمیں تحقیق کے تمام مراحل سے گزرنا پڑتا ہے اور یہ تحقیق تدوین کے سلسلے میں کی جانے والی تحقیق سے مختلف ہوتی ہے۔ مضمون لکھتے وقت ہمارے ذہن میں ایک مفروضہ ہوتا ہے اور اس مفروضے کے لیے ہم دلائل و شواہد بھی تلاش کرتے ہیں اور پھر بتدریج ان دلائل و شواہد کو بروئے کار لاتے وقت ہم اس بات کا خاص خیال رکھتے ہیں کہ آیا وہ دلیل یا شہادت جس وسیلے سے ہم تک پہنچی ہے وہ مستند ہے یا غیر مستند۔ اب تک ان دلائل و شواہد کے وسیلے مکتوبات، تذکرے یا دیگر روایتی ذرائع ہوتے تھے، لیکن اب انہی دلائل و شواہد کے لیے ہمیں روایتی وسائل کے ساتھ ساتھ نئے وسائل کو بھی نظر میں رکھنا پڑتا ہے جس میں ریڈیو پروگرام، ٹیلی ویژن پروگرام، دستاویزی فلمیں اور ویب سائٹوں کے ساتھ ای میل بھی شامل ہیں۔ اب چونکہ تحقیق کا تقاضا یہی ہے کہ حقیقت کے انکشاف کے لیے تمام ممکنہ وسائل کی چھان پھٹک کی جائے تو

پھران نئے وسائل کے لیے بھی کسی نہ کسی طریق کار کا تعین کرنا ہوگا کیونکہ شعبۂ تحقیق بھی دیگر شعبہ ہائے زندگی کی طرح جامد نہیں ہے۔ رشید حسن خان کا یہ بیان تحقیق کی اسی بدلتی ہوئی تصویر کو پیش کرتا ہے:

''تحقیق ایک مسلسل عمل ہے۔ نئے واقعات کا علم ہوتا رہے گا، کیوں کہ ذرائع معلومات میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ کون سی حقیقت کتنے پردوں میں چھپی ہوئی ہے۔ اکثر صورتوں میں ہوتا یہ ہے کہ حجابات بتدریج اٹھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تحقیق میں اصلیت کا تعیّن اس وقت تک حاصل شدہ معلومات پر مبنی ہوتا ہے۔''[۲]

سرسری طور پر دیکھا جائے تو نئے وسائل سے مطابقت رکھنے والے طریق کار وضع کرنا کوئی بڑا مسئلہ نہیں لگتا لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔ یہ کام اگر ناممکن نہیں تو بے حد مشکل ضرور ہے۔ اس کام کے لیے وسیع مطالعے کے ساتھ ساتھ تخلیقی ذہن کی بھی ضرورت ہے جو دوسرے علوم میں مروجہ طریق کار کا مشاہدہ اور مطالعہ کرتے ہوئے ادبی تحقیق کی ضروریات کے مطابق ایک مؤثر طریق کار کا تعین کرے۔

موجودہ دور میں تحقیق کی بات کی جائے تو سائبر اسپیس تحقیق کے لیے ایک نہایت ہی مفید اور اہم ذریعہ بن کر ابھرا ہے۔ تحقیق کے تمام روایتی طریق کار کے ذریعہ مواد حاصل کرنے کے باوجود اگر ہم انٹرنیٹ سے رجوع نہیں کرتے تو اس بات کا احتمال زیادہ ہے کہ ہم نے اس موضوع سے متعلق کچھ خاص باتوں کو نظر انداز کر دیا ہوگا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ یہ ذریعہ مواد تک رسائی کا بے حد آسان اور سستا ذریعہ ہے۔ انٹرنیٹ پر موجود مواد اور اس کی افادیت سے متعلق 'کیرول ٹینوپیر' کا درج ذیل اقتباس معلوماتی نقطۂ نظر سے انٹرنیٹ پر موجود مواد اور ان کی ماہیت کی صحیح تصویر پیش کرتا ہے:

''قدیم کہاوت'' آپ جس چیز کی قیمت ادا کرتے ہیں آپ کو وہی ملتا ہے'' کا اطلاق ورلڈ وائڈ ویب پر اکثر نہیں ہوتا ہے۔ بے شک آپ اکثر بے مایہ معلومات کا سامنا کرتے ہیں (یا غلط معلومات، جو بہت بری ہیں) لیکن وہیں مفید اور قیمتی معلومات کی دولت مفت حاصل کی جاسکتی ہے۔ بہت سی سرکاری ایجنسیاں، طبی امدادی گروہ، میوزیم اور لائبریریز بے حد مفید معلومات سے بھرپور ویب سائٹس تیار کرتی ہیں۔''[۳]

جی ہاں، سائبر اسپیس پر کام کرتے وقت یہ نکتہ ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ ہوسکتا ہے مفت حاصل ہونے والی معلومات یا مواد کی افادیت اور استناد بھی اتنا ہی ہو جتنا کہ ان معلومات کی جنھیں پیسے خرچ کر کے حاصل کیا جارہا ہے، لیکن آج انٹرنیٹ کا دائرۂ کار اتنا وسیع ہوگیا ہے کہ اس کی تشبیہ کے لیے سمندر بھی چھوٹا لگنے لگا ہے اور محقق کی حیثیت بالکل ایک غوطہ خور کی سی ہوگئی ہے جس کا کام سچے موتی کی تلاش ہے۔ یہ کام بے حد دشوار ہے کیونکہ اس سمندر میں معمولی سیپ اور صدف کے درمیان فرق محسوس کرنے کے لیے تیز اور کھلی آنکھیں ہی نہیں بلکہ تحقیق کے نئے سائنسی طریق کار کی بھی ضرورت ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ سائبر اسپیس پر علم کے ہر شعبے سے متعلق ہر طرح کی معلومات موجود ہیں اور سب سے اچھی بات یہ ہے کہ ان معلومات کے لیے لائبریریوں کی خاک چھاننے کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ کلیدی تختے (کی بورڈ) پر آپ کی انگلیوں کی جنبش دنیا کی تمام معلومات کو آپ کے مانیٹر تک لے آتی ہے، لیکن اس بات کو یقینی بنانا بے حد مشکل ہے کہ آیا وہ معلومات جو ہم نے سائبر اسپیس پر دریافت کی ہیں وہ معتبر ہیں؟ اس کے لیے محقق کو حد درجہ احتیاط سے کام لینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ عام طور پر سماجیات، سیاسیات، معاشیات یا سائنس کے محققین کو یہ صلاح دی جاتی ہے کہ وہ اپنی تحقیق میں کچھ خاص ویب سائٹ سے ملنے والی معلومات کو ہی استعمال کریں۔ جیسے عالمی بینک کی رپورٹ، اقوام متحدہ سے جڑے کسی ادارے کی رپورٹ، حیاتیات میں Organization Biology Molecular Eoropean، یا پھر کچھ ایسے این۔ جی۔ اوز جن سے ملنے والی معلومات کے مستند ہونے کا معقول جواز موجود ہو۔ ان علوم کے لیے اس حد تک محتاط ہونا اس لیے بھی ممکن ہو پاتا ہے کہ ان علوم سے متعلق عالمی سطح پر کئی ادارے اور تنظیمیں ہیں جہاں ان موضوعات پر بہت ہی اعلیٰ پیمانے پر تحقیق کی جاتی ہے اور وہ ان علوم کے تمام پہلوؤں کو اپنی گرفت میں لینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان علوم کی تحقیق میں ماہیتی پہلو کے ساتھ ساتھ کمیتی پہلو بھی خاصی اہمیت رکھتا ہے۔ ان اعداد و شمار میں تھوڑی سی ردّ و بدل بھی محقق کی تمام محنت کو رائیگاں کرسکتی ہے۔ ان سب باتوں کے باوجود حقیقت یہ بھی ہے کہ ان علوم کی تحقیق میں سائبر اسپیس کے ایک بے حد خاص حصّے کو ہی اپنی گرفت میں لے کر تحقیق کی راہ خاصی ہموار کی جاسکتی ہے، لیکن ادب میں نہیں اور خاص کر اردو ادب میں تو بالکل نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ کوئی بھی ادبی تحقیق تخلیق اور تخلیق کار سے بحث کرتی ہے اور ان دونوں ہی سے متعلق معلومات کے لیے صرف بندھے ٹکے ذرائع کے سہارے تحقیق کی گاڑی نہیں چل سکتی۔ مثال کے طور پر کوئی شخص احمد فراز کی شخصیت اور فن پر کام کر رہا ہے۔ احمد فراز کے دورہ لندن کے دوران کوئی ان کا انٹرویو لیتا ہے جو احمد فراز کی زندگی کے بے حد اہم پہلوؤں پر روشنی ڈالتی ہے اور اسے ایک غیر معروف ویب سائٹ پر شائع کر دیتا ہے۔ اب وہ انٹرویو اس محقق کے لیے ناگزیر ہے۔ وہ اس انٹرویو کو کسی بھی قیمت پر نظر انداز نہیں کرسکتا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ وہ مختلف ذرائع کو بروئے کار لا کر یہ معلوم کرنے کی کوشش کرے کہ وہ

انٹرویو واقعی احمد فراز کا ہے کہ نہیں اور اگر ہے تو اسے اس مواد کو اپنے تحقیقی کام میں استعمال کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہونی چاہئے۔ یہ بات بھی دلچسپ ہے کہ تمام شعبہ ہائے زندگی میں انٹرنیٹ کے تیز گام اثر نے ادب اور تحقیق کو بھی اپنے دائرے میں لے لیا ہے، تاہم ابھی بھی اساتذہ کی اکثریت اس سے پرہیز کا مشورہ دیتی ہے۔ اس کی وجہ غیر مستند حقائق کی بنیاد پر تحقیق کی عمارت کی تعمیر کا خوف ہے اور یہ خوف بہت حد تک درست بھی ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا کتابوں میں لکھی گئی تمام باتیں درست ہیں یا ان میں بھی غلطیوں کی گنجائش موجود ہے؟ اگر جواب 'ہاں' ہے تو پھر کیا ہم نے کتابوں سے حاصل کردہ حقائق کی تصدیق کے لیے کوئی معیار قائم کیا ہے؟ اس سوال کا جواب بھی اگر ہاں ہے تو پھر ہم اب تک ڈیجیٹل مواد یا انٹرنیٹ اور دیگر ڈیجیٹل ذرائع سے حاصل شدہ مواد کی چھان پھٹک کا کوئی معیار قائم کرنے سے قاصر کیوں ہیں۔ اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ انٹرنیٹ پر ابتدا ہی سے اس کا تفریحی پہلو یا غیر ذمہ دارانہ پہلو غالب رہا ہے۔ فحش ویب سائٹس ہوں، پروپیگنڈہ ہو یا پھر بھولے بھالے لوگوں کو ٹھگنے والے گروہ، عوام میں انٹرنیٹ کی یہی شکل عام ہے۔ اردو میں اساتذہ اور محققین کی بات کریں تو ان کے لیے انٹرنیٹ یا جدید ٹیکنالوجی ایک نفسیاتی مسئلہ تو رہا ہی ہے ساتھ ہی ساتھ اپنی افادیت ثابت کرنے سے قبل یہ ذریعہ بے مصرف قرار دیا جا چکا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ اس کے بے مصرف ہونے یا افادیتی سست گامی کی وجہ بھی کسی حد تک ہم خود رہے ہیں۔ اسی حوالے سے سیمون ایلیٹ لکھتی ہیں کہ ایک طالب علم جو انٹرنیٹ پر لائبریری آف کانگریس کے کیٹلاگ کی تلاش میں کامیاب ہو جاتا ہے جس میں وہ ایک عرصے سے ناکام تھا۔ ایسے میں انٹرنیٹ فوراً ہی اس کے لیے ہر درد کی دوا بن جاتا ہے، ایک ایسا نظام جو پوری طرح قابل اعتماد ہے اور جو ہمیشہ بہتر نتائج فراہم کرے گا، لیکن اگلی بار وہ اتنے بہترین نتائج فراہم نہیں کرتا، امیدیں پامال ہو جاتی ہیں، توقعات پوری نہیں ہوتیں اور آن کی آن میں اسے بے مصرف قرار دے دیا جاتا ہے۔ سیمون ایلیٹ نے اپنے مضمون میں اس بات پر زور دیا ہے کہ انٹرنیٹ پر تحقیق ایک صبر آزما عمل ہے اور محقق کو کسی بھی صورت بے صبری کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے کیونکہ محقق کی بے صبری اسے مطلوبہ مواد یا اس کی کسی جہت سے محروم کر سکتی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ عام طور پر اساتذہ انٹرنیٹ کے استعمال سے پرہیز کا مشورہ دیتے ہیں، لیکن سنجیدہ محققین کا ایک ایسا طبقہ بھی ہے جو انٹرنیٹ کو معلومات تک رسائی کا ایک بہترین ذریعہ تصور کرتا ہے اور اسے اس راہ میں بھٹکنے کے امکان کا بھی علم ہے۔ وہ لوگ انٹرنیٹ کا استعمال دیگر وسائل کی طرح کرنے کا مشورہ دیتے ہیں لیکن اس حوالے سے خصوصی احتیاط کی تلقین بھی کرتے ہیں۔ سیمون ایلیٹ اپنے مضمون میں اسی حوالے سے کچھ نکات کو ذہن میں رکھنے کا مشورہ دیتی ہیں جن پر غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے، مشورے درج ذیل ہیں:

- انٹرنیٹ انسانوں ہی کے ذریعہ ڈیزائن کیا گیا ہے اور انسان ہی اسے چلاتے ہیں۔
- آسانی سے ہار نہ مانیں۔
- آپ جب چاہیں کمپیوٹر بند کر سکتے ہیں۔
- یاد رکھیں کہ کمپیوٹر محض ایک آلہ ہے۔
- کمپیوٹر کو خود کو بھٹکانے نہ دیں۔
- دانشورانہ شکوک و شبہات کو ترک نہ کریں۔[5]

درج بالا نکات کے ذریعہ اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ بیشک کمپیوٹر یا انٹرنیٹ معلومات کا منبع ہوتا جا رہا ہے، لیکن یہ بات ہمیشہ ذہن میں رکھنی چاہیے کہ ان وسائل کا خالق انسان ہی ہے۔ اس صورت میں انسانی غلطیوں کے امکان کو بھی مسترد نہیں کیا جا سکتا ہے اور جب کبھی ایسا محسوس ہو کہ کمپیوٹر یا انٹرنیٹ کے استعمال کا اثر مثبت کے بجائے منفی ہے اسے مسترد کرنے کا اختیار آپ کے پاس محفوظ ہے اور اس صورت میں آپ کو اپنی تحقیقی تربیت کو بروئے کار لانا ہوگا جس میں دانشورانہ شکوک و شبہات شامل ہیں۔ اردو میں تحقیق کے حوالے سے بھی ہمیں اسی رویے کو اپنانے کی ضرورت ہے کیونکہ ٹیکنالوجی کے استعمال میں مزید تاخیر کی وجہ سے ہماری تحقیق کو جو نقصان ہوگا ممکن ہے آئندہ اس کی تلافی نہ ہو سکے اور زبان و ادب کو اس کا مستقل خسارہ اٹھانا پڑے۔

حواشی

۱۔ عبدالستار دلوی، ادبی تحقیق اور لسانی تحقیق، اصول اور طریقۂ کار، نئی دہلی، ص:۳۱

۱۔ رشید حسن خان، ادبی تحقیق مسائل اور تجزیہ، لکھنؤ، اتر پردیش اکادمی، ۲۰۰۵ء، ص:۳۱۔۴۱

3. Eg. Carol Tenopir. 'Getting What You Pay For?' ed. Helen Laurance and William Miller, Academic Research on Internet, New York: Hawthorn Information Press, 2000, PP.9
4. Eg. Eliot, Simon 'Using the Internet for Literary Research' ed. Eliot, Simon, and W. R. Owens. A Handbook to Literary Research. London; New York: Routledge, 1998, PP. 17
5. Eg. Eliot, Simon 'Using the Internet for Literary Research' ed. Eliot, Simon, and W. R. Owens. A Handbook to Literary Research. London; New York: Routledge, 1998, PP. 17

○○